سلسلۂ منتخب کشمیری منظومات نمبر ۲

وہاب پرے

مصنفہ و مولفہ

پروفیسر محی الدین حاجنی

کلچرل اکادمی
جموں و کشمیر

بارِ اوّل ۱۹۵۹ء

تعداد ، ایک ہزار

قیمت ۵۰ عہ

مطبوعہ ، جیّد برقی پریس بلیماران دہلی

فہرست

تعارف

نام:۔ وہاب بن مقصود بن رسول بن بولہ (عبداللہ) بن موسیٰ بن حسُین۔

تخلّص:۔ وہاؔب

سکونت:۔ حاجن تحصیل سوپور کشمیر

تاریخ ولادت:۔ ۷؍ اگست ۱۸۴۶ء

تاریخِ انتقال:۔ ۲۹؍ دسمبر ۱۹۱۴ء

تخلیقات

- ★ ہفت قصّۂ مکرِ زن
- ★ اکبر نامہ
- ★ بہرام گور
- ★ شاہ نامہ
- ★ سُلطانی
- ★ بے بوج نامہ
- ★ دیوانِ وہاؔب
- ★ ہفت قصّۂ اعمیٰ
- ★ قصّۂ چہار درویش
- ★ نونہال گل بدن
- ★ خلافت نامہ
- ★ درویشی
- ★ شکل وشمائل آنحضرت صلعم

مارچ ۱۹۴۶ء میں ستائیس سالہ سکھا شاہی کا خاتمہ ہوا، اسی پُر آشوب سال میں وہاؔب پیدا ہوئے، عُمر ابھی ڈھائی سال سے آگے نہ بڑھی تھی کہ والدِ بزرگوار مقصود ڈیرے نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا لیکن نیک دل والدہ نے اپنے جگر گوشہ کی تعلیم و تربیت میں غیر معمولی دلچسپی لی، اور مقامی مدرسہ میں بھیج دیا جہاں بیس سال کی عُمر میں اس زمانے کے مُروّجہ فارسی نصاب میں وہ فارغ التحصیل ہوئے، بائیس سال کی عُمر سے لے کر زندگی کے ترسیٹھ ویں سال تک وہاؔب کی زندگی گوناگوں پیشیوں سے وابستہ رہی۔ جن میں ٹھیکہ داری، ملازمت، دیہات پروری (یہ عہدہ آجکل کے سول سپلائز آفیسر کا ہم پلہ تھا) کارداری، تحویل داری (غلّہ بٹائی کے زمانے میں اس عہدہ کی خاص اہمیّت تھی) اور زمینداری وہاؔب کے خاص ذرائع روزگار رہے۔ ملازمت کے سلسلے میں وہاؔب قریب قریب بیس برس تک (۱۲۸۸ھ سے ۱۳۰۶ھ تک) پٹواری رہے۔ کچھ عرصہ بحیثیتِ نائب تحصیلدار مانچھ ہمہ (پرگنہ بیروہ) کام کرتے رہے۔ لیکن ان متنوّع سماجی مصروفیتوں کے ہوتے ہوئے بھی وہاؔب کی طبیعت شاعری کی طرف مائل تھی۔ حالات کی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ شعور میں رچاؤ پیدا ہوتا گیا، اور پھر وہاؔب نے کشمیری شاعری میں اعلیٰ مقام حاصل کیا۔

اپنی تخلیقات کی خود نوشتہ فہرست میں وہ لکھتے ہیں کہ "سب سے پہلے میں نے ہفت قِصّہ مکرِ زن منظوم کشمیری میں تالیف کی۔ اس کے بعد ہفت قِصّہ اعمی۔ اور پھر حمید اللہ اسلام آبادی کے اکبر نامہ کو فارسی سے کشمیری نظم میں منتقل کر لیا۔ انہی ایام میں نونہال گُل بدن جو اُردو زبان میں ایک عشقیہ افسانہ ہے کشمیری شعر میں ترجمہ کیا، اور ساتھ ساتھ غزل گوئی بھی کرتا رہا۔ اس

کے بعد قصۂ چہار درویش اور بہرام گور کا بھی منظوم کشمیری میں ترجمہ کیا"
کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ ان ادبی جواہر پاروں میں سے مکر زن،
ہفت قصۂ اعمیٰ۔ نونہال گل بدن وہاب کی وفات کے بعد قدر ناشناس
وارثوں کی لاپروائی سے یوں تلف ہوئے کہ آج تک یقین کے ساتھ یہ فیصلہ
نہیں کیا جاسکتا کہ ان عنوانوں پہ چھپی ہوئی دوسرے مُصنّفین کی کتابوں
میں "ادب دُزدی" کا دخل کہاں تک ہے۔ اکبرنامہ محفوظ ہے۔ اس میں ایک
طرف افغانوں اور دوسری طرف انگریزوں اور سکھوں کی معرکہ آرائی کی
تصویر کھینچی گئی ہے۔ دو ہزار دو سو چالیس (۲۲۴۰) اشعار کا یہ مجموعہ
کشمیری زبان کا ایک قابل فخر شعری سرمایہ ہے

جس ادبی کارنامہ سے وہاب کی عظمت کا احساس بڑھ جاتا ہے وہ ہے
شاہنامۂ فردوسی کا منظوم ترجمہ۔ کشمیری شاعری میں رزمیہ شاعری پہلی بار
نظر آتی ہے۔ چار ضخیم جلدوں میں ایران کی اس افسانوی تاریخ کا وہاب
نے تئیس ہزار چار سو اکیانوے (۲۳۴۹۱) اشعار میں شستہ، بامحاورہ
اور دل نشین ترجمہ کر کے ایرانِ صغیر (کشمیر) کی زبان کو بالکل نئی
سے آشنا کر دیا۔ اس کی پہلی جلد میں سات ہزار تیرہ (۷۰۱۳) اشعار،
دوسری جلد میں پانچ ہزار ایک سو چھ (۵۱۰۶) تیسری جلد میں چار ہزار سات
سو آٹھ (۴۷۰۸) اشعار ہیں۔ چوتھی جلد فی الحقیقت فردوسی کا ترجمہ نہیں۔
بلکہ وہاب کی اپنی تخلیق ہے، جس ان کی انفرادیت نمایاں ہے۔ جس میں
وہاب نے فتوحاتِ اسلام کے اس سیلِ رواں کی شرقی رو کا دل رُبا نقشہ

کھینچا ہے۔ پہلی تین جلدیں نو سال (۱۲۹۷ھ سے ۱۳۰۶ھ) کی عرق ریزی کا
نتیجہ ہیں، لیکن چوتھی جلد کی تصنیف میں وہاب نے گیارہ سال محنت کی۔
جس کی وجہ یہ ہے کہ آج سے ستر سال پہلے وہاب نے فردوسی کی وطن پرستی
اور ملوکیت پسندی کے عواقب کو "شاہنامہ" کے آخری حصے میں بھانپ کر ایک
ایسی روش اختیار کی۔ جس کی طرف متوجہ ہونے میں فردوسی کو اپنی ایران
نوازی ایک سدّ راہ بنی ہوئی تھی۔ چنانچہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ فردوسی
نے صحابۂ کرام کی فتوحات کو اپنی عمومی بسیار گوئی کے باوجود نہایت ہی
اختصار کے ساتھ نظم کیا ہے۔ بلکہ اشاروں ہی اشاروں میں ایرانیوں کی
شکست پر اظہار افسوس کیا ہے۔ وہاب نے نظریۂ قومیت کے
ایرانی ہیرو (فردوسی) کو اسلامی فتوحات کے سلسلے میں بستہ لب اور
متأسف پاکر ۱۳۰۶ھ میں لکھا ؎

کوٗرم قصہ نقل شاہنامہ دِلس گوم مہ غیرتِ دینِ خود

ترجمہ:۔ (شاہنامہ میں اسلامی فتوحات کی وضاحت نہ پاکر) میرے دل میں غیرت دینی
پیدا ہوئی۔ لہذا میں نے فردوسی کے عندیہ کی نقل ترک کر دی

اور پھر ان تاریخی واقعات کی چھان بین شروع کی۔ جو تسخیر ایران میں صحابۂ کرام
سے متعلق تھیں، اور جس کے نتیجہ میں ہمارے سامنے شاہنامہ کی چوتھی جلد
ہے۔ اس کے چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ (۶۶۶۶) اشعار میں سے چار ہزار
ایک سو بیاسی (۴۱۸۲) اشعار وہاب کی ذاتی تاریخ دانی پر مبنی ہیں۔
اسی لئے اگر اس جلد کا نام فردوسی کے تتبع میں "خلافت نامہ" رکھا جائے

تو یہ نام زیادہ موزوں ہوگا۔

اِس طویل ترین ترجمی کارنامہ کے اختتام پر وہاؔب نے اپنی ڈائری میں فخر کے ساتھ لکھا ہے کہ" اِس کام کو سر انجام کرنے کی جُرأت مجھ سے پہلے کشمیر کے کسی فارسی دان کو نہیں ہوئی تھی"۔ ہم چاہے اِسے خودستایش پر محمول کریں۔ لیکن یہ ایک تاریخی حقیقت ہے، جس کو جھٹلایا نہیں جاسکتا۔ (ملاحظہ ہو میرا مضمون" وہاؔب فردوسئی ایران کی دنیا میں" مطبوعہ رسالۂ گل ریز ستمبر و اکتوبر ۱۹۵۲ء)

اِس صبر آزما کام سے فراغت پاتے ہی وہاؔب کو کشمیر کے مشہور و معروف ولی حضرتِ شیخ حمزہ مخدومؒ کے پانچ خلیفوں کی پانچ تصانیف (ھدایۃ المخلصین، مصنفہ میر باباحیدرؒ۔ تذکرۃ المرشدین، مصنفہ خواجہ میرمؒ۔ راحۃ الطالبین، مصنفہ خواجہ اسحاق قاریؒ اور سُلطانی مصنفہ شیخ احمد چاگلی) حاجن میں ہی دستیاب ہوئیں۔ یہ سب تصنیفات حضرتِ شیخ حمزہ مخدومؒ کی سوانح سے متعلق ہیں۔ جن میں سُلطانی کے سوا باقی چار تصانیف کا بیشتر حصّہ فارسی نثر میں ہے۔ وہاؔب نے ۱۳۱۷ھ سے ۱۳۲۲ھ تک اِن پانچوں کتابوں کا تین ضخیم جلدوں میں منظوم کشمیری ترجمہ کرلیا۔ اور پُوری کتاب کا نام" سُلطانی" رکھا۔ اِس کے اشعار کی تعداد گیارہ ہزار سات سو ترپن (۱۱۷۵۳) ہے، جس میں تیسری جلد کے آخر پر حضرتِ بابا داؤد خاکیؒ خلیفۂ اوّل سلطان العارفینؒ کی مشہور نظم" ورد المریدین" کا ترجمہ بھی موجود ہے۔ اِسی زمانے میں وہاؔب نے اپنے ہم عصر فقیہہ مولوی صدیق اللہؒ حاجنی کے تتبّع میں شکل و شمائل آنحضرت صلعم کے نام سے ایک طویل نظم

ایک ہی ردیف و قافیہ میں لکھی۔ جس میں آں حضور صلعم کی حلیہ نگاری کی کامیاب کوشش کی گئی ہے۔ تین سو چھتیس (۳۳۶) اشعار کی یہ نظم تاحال غیر مطبوعہ ہے، اور اس کی تاریخ تصنیف ۱۱ محرم الحرام ۱۳۲۰ھ ہے۔

سُلطانی کا آزاد ترجمہ ابھی جاری ہی تھا کہ ۱۳۲۱ھ میں وادیٔ کشمیر کو ایک بلاخیز سیلاب نے تباہ و برباد کر کے رکھ دیا۔ وہاب کا سریع الحس ذہن اِس غیر معمولی حادثہ سے متأثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ چنانچہ اسی سال ایک واقعاتی مثنوی (سیلاب نامہ) تخلیق کی۔ جس میں دہات کی تباہ حالی اور عوام کی لاتعداد مصائب کو دِل ہلا دینے والے اشعار میں قلمبند کیا۔ حزینہ کے بوجھ کو ہلکا کرنے کے لئے اِس کتاب میں مزاحیہ اشعار بھی آئے ہیں۔ جن میں ظرافت اور طنز دونوں کی لطیف آمیزش ہے۔ تاریخی وقائع نگاری میں وہاب کی ایک اور اہم تصنیف بھی حوادثِ زمانہ سے بچ گئی، جو دراصل وہاب کی سیاحانہ مشاہدات کی یادگار ہے۔ اِس کا نام "درویشی" رکھا گیا ہے، جس میں ہم عصر علماء و فقراء رؤسا اور ادباء کے قول و فعل کو نہایت سنجیدہ انداز میں نظم کیا گیا ہے۔ اور ساتھ ساتھ اس میں حاکم اور محکوم کے باہمی تعلقات کی طنزیہ تشریح کی گئی ہے۔ یہ کتاب ڈوگرہ شاہی کی ابتداء تاریخ میں ایک بیش قیمت اضافہ ثابت ہو گی۔ اور اس کے مطالعہ سے وہاب کے سماجی تصوّرات اور سیاسی نظریات کی پُوری تصویر سامنے آجاتی ہے۔ وہاب نے سرکاری ملازم ہوتے ہوئے بھی یہاں حکومت کی عوام کش پالیسی کو جُرأت کے ساتھ پیش کر دیا ہے۔ "بے بوج نامہ" جس کا اب کہیں ریکارڈ نہیں ملتا، شاید

اسی تخلیق کا تلخ ترنتیجہ تھا۔ (ملاحظہ ہو میرا مضمون ـــ "وہاب بحیثیتِ مؤرخ کشمیر" مطبوعہ رسالہ "گُل ریز" مارچ ۱۹۵۴ء) شاہنامہ کی آخری جلد، جسے "خلافت نامہ" سے موسوم کیا گیا ہے، کے علاوہ وہاب کی ایک اور منظوم کتاب "خلافت نامہ" موجود ہے۔ اس میں خلیفۂ اوّل رضؓ کی خلافت سے لیکر وہاب کے ہم عصر عثمانی سُلطان عبدالحمید خان تک نہایت اختصار کے ساتھ ان حکمرانوں کی تخت نشینی کے سنیں اور چند اہم واقعات منظوم کئے گئے ہیں۔ جو خلفائے راشدین رضؓ کے بعد خلافت کے نام پر بادشاہی کرتے رہے ہیں۔ ان تمام علمی وادبی منظومات سے قطع نظر وہاب ہماری زبان کے صاحبِ طرز شاعر ہیں۔ "دیوانِ وہاب" کے چھ ہزار ایک سو تریسٹھ (۶۱۶۳) اشعار سات سو اکاسی (۷۸۱) منظومات میں منقسم ہیں۔ وہاب نے خود یہ دیوان ۲۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۵ھ مدوّن کیا ہے۔ اس تاریخ سے لے کر زندگی کے آخری دن تک (۱۱ صفر ۱۳۳۳ھ) وہاب نے تقریباً سات سال تصنیف و ترجمہ کا کام یکسر ترک کر دیا۔ دُنیا سے متنفر ہو کر ایک طرح کی ہوشمندانہ گوشہ نشینی اختیار کی۔ اور جاہ و حشم سے دِل برداشتہ ہو کر ذِکر و فکر میں اس قدر منہمک ہوئے کہ حاجن کے اکثر "وہاب شناس" باشندوں کے ذہن میں وہاب بحیثیتِ شاعر نہیں بلکہ بحیثیتِ قلندر زندہ ہیں۔ (ملاحظہ ہو میرا مضمون ـــ "کشمیر کا فردوسی تصوّف کی دنیا میں" ـــ مطبوعہ رسالہ "گُل ریز" ۱۹۵۳ء) "دیوان وہاب" ہمارے ادب کے کلاسیکی اصنافِ سخن کا وہ دِل رُبا مُرقع ہے جو کسی بھی اختصار پسند نقاد کو "بسیار نویسی" پر مجبور

کرے، اور جس کی ادبیت کے چند امتیازی نقوش کھینچتے ہوئے بھی محسوس ہوتا ہے کہ وہاب کے ساتھ بے انصافی ہو رہی ہے۔ لہذا قبل اس کے کہ ہم اختصاراً صرف وہاب کے اندازِ بیان اور اندازِ فکر کا سرسری جائزہ لیں ہمیں مندرجۂ ذیل حقائق کو پیش نظر رکھنا ہوگا۔

اوّل "دیوانِ وہاب" کی تاریخ تدوین (۱۳۲۵ھ) کے سوا ہمارے پاس سنہ وار کوئی سند موجود نہیں جس کی بنا پر اُن منظومات کو تاریخ بتاریخ جانچا جاسکے۔

دوئم:۔ وہاب چونکہ بچپن سے ہی غزل گوئی کرتے رہے، اس لئے اُن نظموں کے سوا، جو شباب کے زمانے میں لکھی گئی ہیں۔ باقی کلام کی چالیس سالہ ترقی پذیری کو مختلف دوروں میں تقسیم کرتے وقت صرف داخلی شہادت پر ہی انحصار کرنا پڑے گا۔

سوئم:۔ وہاب نے سُلطانی کے ترجمہ سے ۱۳۲۲ھ میں فراغت پائی، اور دیوان کی تدوین سے ۱۳۲۵ھ میں۔ جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ صرف تین سال ترجمہ کے کام سے الگ تھلگ غزل گوئی کرتے رہے۔ جس میں اغلب ہے کہ شاعر نے مرثیات شباب اور متصوّفانہ منظومات پر ہی زیادہ توجہ دی ہو۔

چہارم:۔ وہاب نہ درباری شاعر تھے اور نہ کسب معاش کے لئے شعر لکھتے تھے۔ اس لئے ان کے کلام میں مدحیہ اشعار قریب قریب نابود ہیں۔ ہاں اِس جذبہ نے مناجات، نعت اور منقبت میں خوب رنگ اختیار

کرلیا ہے۔

پنجم :۔ دیوان میں ردیف وار التزام سے مجبور ہو کر وہاؔب نے زندگی کے مختلف ادوار میں مختلف ردیفوں میں طبع آزمائی کی ہے، اور اسی لئے ایک ہی ردیف میں تراوش فکر کی ابتدائی تک بندی اور آخری دور کی پختہ خیالی کے نمونے ساتھ ساتھ نظر آتے ہیں۔

ششم :۔ وہاؔب جمالیات میں اخلاق کے معتقد رہے ہیں۔ اس لئے ان کا تغزّل کافی متانت آمیز ہے۔ ان امور کی رعایت کے بعد ایک اور بات بھی ملحوظ نظر رہے۔ وہ یہ کہ وہاؔب کے عہدِ حیات میں کشمیر نہ نظریۂ قومیت سے آشنا تھا، اور نہ اس نظریہ کے لسانی لوازم سے واقف۔ اس لئے فارسی شاہکاروں کو کشمیری نظم میں منتقل کرتے ہوئے وہاؔب نے اُن غیر کشمیری اصطلاحات کو من وعن قائم رہنے دیا۔ جو کشمیری میں متداول و معروف تھے۔

اِس پس منظر کے بعد ہی وہاؔب کے اندازِ بیان اور اندازِ فکر کا مختصر خاکہ کھینچا جاسکتا ہے۔

اندازِ بیان

"دفتر دیوان وہاب" وہاؔب کے مجموعۂ افکار کا تاریخی نام ہے۔ جس سے ۱۳۲۵ کے اعداد نکلتے ہیں، جو اِس دیوان کی تاریخ تدوین ہے۔ جھیل وُلر کے کنارے "پھشہِ لد دوّب" نامی ایک نشاط انگیز مقام پر وہاؔب نے اپنی آخری غزل اسی سال ۲۶ رجمادی الثانی کو لکھی۔ غزل کا مطلع ہے ؎

ساقیَن پیمانہ سیتی چاوہ نوُوس ئے مُطربن یکسانہ سیتی بوزہ نووُس نے

ترجمہ :- ساقی نے اپنے ہی پیمانے سے مجھے مئے معرفت پلادی، اور مطرب نے مجھے اپنا سمجھتے ہوئے "نے" کا سرود سُنایا۔

اور مقطع ؎

اے وہاؔب از ساقیٔ میخانۂ پیمانہٕ ژھانڈ وُنی تہٕ کر داستانہ طےٚ

ترجمہ :- اے وہاؔب! ساقیٔ میخانہ سے ایک ہی پیمانہ کافی ہے، اب اسی کی تلاش کر، اور داستان شعروشاعری کو انجام تک پہنچا۔

اگر متواتر روایت پر اِنحصار کیا جائے، تو وہاؔب نے اپنا پہلا گیت جھیل مانسبل کے کنارے "قاضی باغ" نامی جگہ پر بیس بائیس برس کی عُمر میں ہی لکھا ہے۔ اس کا پہلا شعر ہے ؎

ساہ یارا وعدہ موڈل میہٕ گییہ چانٕی کل تہٕ لولو

ترجمہ :- میرے بھولے بھالے محبوب! وعدہ خلافی نہ کر، مجھے تو صرف تیری ہی لگن ہے، بَس۔

پُورے دیوان کی سات سو اکاسی (۷۸۱) منظومات اُنتیس (۲۹) ردیفوں میں منقسم ہیں۔ یہاں قارئین کو یہ سُنکر تعجب ہوگا کہ کشمیری زبان کے اس سب سے ضخیم شعری مجموعہ میں سے گزشتہ تنتالیس (۴۳) سال میں زیادہ سے زیادہ بیس غزلیں اور گیت مختلف رسالوں میں شائع ہوئے ہیں، اور باقی دیوان تاحال غیر مطبوعہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک کشمیری ادب کے اس سب سے بڑے تخلیقی مُصنّف کی شخصیت اِس حد تک کُنجِ گمنامی میں پڑی ہوئی ہے کہ بعض "تعلیم یافتہ" وہاب حاجن

اور وہاب کھار کے درمیان تمیز نہیں کر سکتے۔

وہاب کی ہر تخلیق فی نفسہٖ ایک منفرد انداز بیان کی آئینہ دار ہے، اور یہ ممکن نہیں کہ ۴۵ ہزار سے زیادہ اشعار کا سرمایہ پیدا کرنے والے شاعر کا شعری تجربہ چند صفحوں میں قلمبند کیا جا سکے۔ رزمیہ اور بزمیہ شاعری کی کوئی ایسی صنف نہیں، جس پر وہاب کی نظر نہ گئی ہو، اور پھر ہر کتاب کے نفس مضمون کے متنوع کے ساتھ اندازِ بیان میں بھی تنوّع پایا جاتا ہے۔ مثال کے طور آپ وہاب کی مقابلتاً ایک چھوٹی سائز کی تخلیق "درویشی" کو لیجئے۔ اس میں شاعر سماجی مصلح، سیاسی طنّاز، معاشرتی مُبصّر کے ساتھ ساتھ مذہبی محقّق اور جویائے تصوّف نظر آئیں گے، اور ہر شعبہ کے انداز بیان میں نفس مضمون کے ساتھ طرز تحریر کا خلیہ بھی بدلتا نظر آئے گا۔ حالانکہ بادی النظر کے لئے پوری کتاب مثنوی وزن میں محض ہم عصر ماحول کا ایک مجموعی تبصرہ ہے۔ لہذا ہم صرف "دیوانِ وہاب" کے مختصر انداز بیان پر ہی اِکتفا کریں گے ....

اُنتیس [۲۹] ردیفوں میں سے حروف ث، ج، خ، ژ، ش، ط، ظ، غ، ف اور گ میں سے کوئی بھی ردیف ایک سخت آزمائش چاہتی ہے۔ لیکن وہاب کی فطری آمد کا پہلا ثبوت یہی ملے گا کہ اس کٹھن منزل سے گزرتے ہوئے بھی شاذ ہی آورد سے کام لیا ہے ؎

سینہ تولتھم تیلہٖ کڑایے۔ چھے نہٖ رحم وِنگ	نیم کُشتہ چانہٖ مایے۔ دِہہ ژھرٹے نہٖ جنگ
نیو تھم دِل ڈورہ گڑایے۔ پیوم جانس انگ	جان ودِل ہیتھ ونی کرایے۔ بیہ کنیز تھامنگ

تروو تھس بیگانہ جایے۔ دانہ چھینا ننگ   کرتہ کینژھا میون پایے سخت چھس دِل تنگ

یاد آہم نا ولایے۔ کتہ پھسیو ننگ   رٹہ دامن بے وایے۔ ژٹہ ہا فرسنگ

(۱) "اے میرے معشوق! تو نے میرے سینہ کو کڑائی میں تڑکا دیا۔ تجھے نہ رحم آتا ہے، اور نہ ننگ و ناموس کی پاسداری کا خیال ہے۔ میں تیری اُلفت میں مُرغِ نیم بسمل کی طرح تڑپتا ہوں، اور مضطرب ہوں۔"

(۲) "تو نے میرا دِل ایک دِل کش ادا ہی سے اپنی طرف کھینچ لیا۔ میری جان پر بن آئی۔ جان و دِل پیش کرنے کے بعد اور کہئے کہ کونسی چیز کرایہ پر لاکر نذر کر لوں۔"

(۳) "تو نے مجھے بیگانہ مقام پر سرِ راہ چھوڑا، کیا تجھے ذرّہ بھر شرم نہیں۔ کاش تو میری چارہ سازی کرتے۔ کیونکہ اب میرا دِل بہت ہی اُکتا گیا ہے۔"

(۴) تیری یاد جو آئی تو میں بے اختیار تجھے نِدا کرنے لگا۔ ہائے تو کہاں پھنسے رہے۔ میں دامن سمیٹ کر بے تحاشا اس منزل کی طرف دوڑتے ہوئے فرسنگ ہا سفر طے کر لیتا۔"

نادر الاستعمال ردیفوں میں سادگی، اصلیّت اور جوش قایم رہیں اور پھر شعر سریع الفہم بھی ہو تو بقول ملٹن شعر کا حق ادا ہو گیا۔ وہاب کے مُشکل ردیف مُشکل تر قافیے کا تقاضا کرتے ہیں۔ لیکن کاوشِ فکر کی کامیابی یہ ہے کہ دشوار گزار زمینوں میں وہاب گھبرانے کے بجائے ایسی نادر مرصّع کاری کرتے ہیں کہ ہر لفظ پوری بندش سے چُست ہے، اور ہر قافیہ

بولتا ہوا معلوم ہوتا ہے"۔

۱۔ "اے میری سہیلی میرے آنسو روتے روتے اب خشک ہو گئے۔ میرا چارہ کار اس کے سوا اب ہے کیا کہ معشوقانہ انداز میں مجسمۂ آرزو بن کر جاں بحق ہو جاؤں

۲۔ دامِ اُلفت میں گرفتار کرنے کے بعد کیا اس کو ذرّہ بھر رحم نہیں آتا۔ میں تو نہ زندہ ہوں اور نہ مُردہ بلکہ نیم مذبوح کی طرح موت و حیات کے درمیان ہوں"۔

۳۔ میرے کلیجے کو اُس نے جلا ڈالا، اور اس کے کباب بنا ڈالے میرے سینہ میں محبّت کی آگ جلتی ہوئی "لشی" (چوب چراغ) کی طرح فروزاں ہے

۴۔ میرے سینہ میں سے کباب کی بُو باہر آتی ہے، اور میں نے اپنی رگوں کو رباب کے تاروں کی طرح کس لیا ہے۔

۵۔ کاش میرا دلبر میرا کچھ علاج کرے۔ ورنہ میں کلیجہ کو کھرچتے کھرچتے جان بحق ہو جاؤں گا"۔

روزمرہ اور با محاورہ بندشوں کو علی العموم یوں پرویا گیا ہے کہ خود بخود ایک شگفتہ اسلوب اُبھر آتا ہے۔

۱۔ "مجھے اس نے سبزہ سمجھکر بار بار آگ لگا دی۔ اور جھلس جانے کے بعد میں پھر اُگتا ہوں"۔

۲۔ "میں عشق کی "نَے" کی طرح نالہ و زاری کر رہا ہوں۔ آ تو بھی دیکھ۔ میرے سینے میں بجتے بجتے سوراخ ہو گئے ہیں"۔

۳۔ "مجھے اندر ہی اندر نارِ ہجرت نے بھسم کر دیا، اور اس کی حرارت نے

میرے کلیجے کو بھنتے بھنتے "روغن جوش" بنا ڈالا"۔

وہاب اگرچہ ایرانی اظہارِ تعشق کے قایل رہے ہیں، لیکن ایرانی تخیّل نے ان کے اندازِ بیان میں "کشمیریت" کے اجزا قائم رہنے دئے ہیں۔ اسی لئے فارسی اور کشمیری زبان کی باہمی رنگ آمیزی کے صدقے وہاب بتدریج وہ سماں باندھ لیتے ہیں جس سے ایک دِل آویز مقامی کیف چھلکتا ہے ۔

۱ ۔ اگرچہ میں مخلوقات میں نابکار شمار ہوتا ہوں، لیکن (کشمیری میں کہاوت ہے کہ) کمہار کو اپنا ٹوٹا ہوا برتن زیادہ بھاتا ہے"۔

۲ ۔ "مجھے ہرن (معشوق) کی چشم شہلا نے مسحور کر دیا ہے، اور اب میرے اسی جادو کی زنجیر گلو گیری ئی ہے"۔

۳ ۔ تو نے میرے دِل کو تو (کب کا) چھین لیا ہے، اور اب صرف میری رُوح باقی ہے۔ یہ رُوح میرے لئے اسی طرح تہمت کا باعث ٹھہری۔ جس طرح گیدڑ کے لئے اس کی کھال"۔

۴ ۔ "مجھے تیرے دیدار کی تمنّا تھی (لیکن) تیرا مجھ سے کیا ہوا وعدہ ظاہراً محض ایک طفل تسلّی ہے"۔

اور پھر یہی نہیں کہ الفاظ کی طبعی روانی ذوق سلیم پر ذرا بھی گراں نہیں گزرتی، بلکہ قریب قریب ہر گیت میں جدید ترکیبوں کا برجستہ استعمال ایک خاص انسجام پیدا کرتا ہے۔ جس میں ایک ہی خیال تڑپتے تڑپتے ترنّم پیدا کرتا ہے ۔

۱ ۔ "مٹی اور آگ کے مرکّب (وجودِ انسان) میں سما کیا سکے۔ مجھ سے (نارِ عشق

کی سبب) جلتی "پٹڑی" کی طرح شعلے بھڑک اُٹھے۔ (شباب کے خاکستر ہونے کے بعد) اب جبکہ میری داڑھی سفید ہو چکی ہے تو ہی بتا کہ میں کس کام کا اہل رہا ہوں ہائے میں تو ایک دیودار تھا جو اب راکھ میں بدل چُکا ہے۔"

۲ ۔"میں دِن غروب ہونے کے بعد کاروبار کی تلاش میں نکلا۔ حالانکہ اس وقت میرے معشوق نے میرے ماہِ ہار (موسم نفع یا شگفتگی) کو ماہِ پوہ (موسم نقصان یا افسردگی) میں تبدیل کر دیا تھا۔ اب تو میری عُمر بھر کی کمائی بھوسی کے محض ایک ڈھیر کے سوا کچھ بھی نہیں۔ ہائے میں تو ایک دیودار تھا، جو اب راکھ میں بدل چُکا ہے۔"

مترنم اندازِ نگارش کے ساتھ **وھآب** کی اکثر غزلیں اور گیت مربوط المعانی ہیں جو غزل کی روایتی نوعیت میں ایک نادر تجربہ ہے۔ دیوان میں عشقیہ مضامین کے علاوہ سماجی، معاشرتی اور ذاتی واردات سے متعلق مکرر اِظہارِ خیال کیا گیا ہے۔ ان کی تحلیل سے قطع نظر عشقیہ منظومات بں کئی ایک غزلوں میں رعائیت سے زیادہ مبلغانہ طرز ادا کا بیشتر عنصر ہے، جو تغزل میں ایک عیب شمار کیا جاتا ہے۔ لیکن زبان کی مٹھاس کی سبب یہ عیب اکثر اوقات نظروں سے اوجھل رہتا ہے۔

اخیر میں یہ یاد رکھنا مفید ثابت ہوگا کہ **وھآب** کے تغزل میں دینیات اور تصوف کا تحت الشعوری تاثیر غالب رہنے کی وجہ سے کئی اچھی چیزیں بھی پیدا ہوئی ہیں، اور وہ یہ کہ آپ ان کے گیتوں یا غزلوں میں شاذ ہی کہیں لسانی سفلہ پن، جذباتی بے ربطی اور جنسی ہیجان کی مثالیں چُن

سکیں گے۔ ہاں چند ایک گیتوں میں اخلاق کی آمیزش کی وجہ سے انبساط
کی کیفیت کے بجائے فقیہانہ استدلال اُبھر آیا ہے۔ جس سے اندازِ بیان
کے اِرتقأ پر اکثر گیت ماوراء الطبعیاتی رنگ اختیار کئے ہوئے ہیں۔ جہاں
متصوفانہ نفسِ مضمون کی سبب اس قدر گہرائی اور سنجیدگی پیدا ہوئی
ہے۔ کہ مبتدی گھبراتا ہے۔ اور انگشت بدنداں رہتا ہے کہ **وھاب** نے
کس طرح آرٹ اور رُوح کو ایک انوکھے انداز میں ہم نوا کیا ہے۔

اَندازِ فکر

اُنیسویں صدی کے جابرانہ نظام حکومت اور کشمیریوں کی عام
مفلوک الحالی نے اوّل تو ہر کشمیری شاعر کے لئے ایک حسرت آفرین
ماحول تیار کر رکھا تھا۔ دوئم **وھاب** نے اپنی زندگانی میں متعدد بار
قحط، وبا، طاعون اور سیلاب سے ہزاروں کشمیریوں کو لُقمۂ اجل بنتے
دیکھا تھا۔ اس حوصلہ شکن اور رُوح فرسا مشاہدہ پر عجمی تصوّف اور ایرانی
ادبیات بالخصوص شاہنامہ کے مسلسل مطالعہ نے **وھاب** کو کشاں
کشاں حزن پسندی کا شیدائی بنا ڈالا۔ یہاں تک ان کے
ذہن پر قنوطیت خاص کر موت کے تصوّر نے ایسا گہرا اثر ڈالا کہ ان کی
شاعرانہ زندگی کے عین شباب پر ان کو تمام مناظر فطرت، کوائف نفسی اور
ذاتی واردات میں حزن و غم کی کرشمہ کاری کے سوا اس وقت بھی کوئی
ٹھوس مقصد نظر نہ آیا۔ جبکہ خود **وھاب** کے لئے امیرانہ زندگی کے

قریب قریب سب وسائل حاصل تھے۔ اس لئے دیوانِ وھاب یاسیات سے معمور ہے۔ جس کا محور غمِ روزگار اور قطبین جبر و قدر نظر آتے ہیں۔ چنانچہ مؤخرالذکر کی اُلجھنوں سے تنگ آکر وھاب علی العموم ابنائے روزگار سے شاکی ہیں۔ عالم آب و گل پر کیچڑ اُچھالتے ہیں۔ اخلاقی انحطاط پر تیز کلامی پہ مستعد ہوتے ہیں، اور عوام کی زبون حالی پر خوب آو بکا کرتے ہیں۔ آپ اس منہاجِ تخیّل کو فلسفۂ فرار کہیئے یا غیر عربی تصوّف۔ ذہنی ناآسودگی کہیئے یا ماحول کی اثر اندازی۔

"تاریکی میں سے (گزرتے ہوئے) روشنی کی جان پہچان کر (روحانی ارتقاء کے صدقے) عین تاریکی میں تابناک روشنی دیکھ (وجود میں ڈوبکر) نور و ظلمت کا امتیاز ہی نہیں رہتا۔ لیکن (اس عرفان کی سدِّ راہ یعنی) دُشمن اگر ہے تو میری نفس۔

اور وھاب سہروردی تربیت سے یقین کر چکے کہ نفس اور دِل کی باہمی زور آزمائی میں دِل ہی کی جیت ہوئی ؎

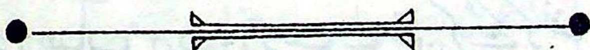
جہادس دڑا دسُوی غازی کوّرُن مُلکِ نفس تابع
بہ جانبازی کوّرُن راضی نفس اندر قفس تابع

ترجمہ:۔ حقیقی جہاد اس غازی کا جہاد ہے، جو مُلکِ نفس تسخیر کرے۔ وہ اپنی جان کی بازی لگاکر نفس کو اس بات پر رضامند کرتا ہے کہ وہ (نفس) نہ صرف پنجرہ (جسد) میں بند رہے۔ (بلکہ) تابع بھی۔

عرفانِ نفس کی اس منزل پہ وہاب کے تسخیر کا پیدا کردہ نظریہ

وحدت الشہود خود بخود رخصت ہونے لگا، اور طمانیت پاتے ہی وہ وحدت الشہود کے معتقد ہوئے۔ جہاں وہاؔب کو خود اِنسان ہی "عالم اکبر" نظر آنے لگا۔

یہ ہے وھاؔب کے اندازِ فکر کی آخری کڑی جو ان کی متصوّفانہ تجربوں کے آخری دَور کی عکاسی کرتی ہے۔ لیکن اس "مقام" تک پہنچتے ہوئے اُنہوں نے ہماری مادی زِندگی کے اکثر شعبوں میں "مقصدیت" کو پیشِ نظر رکھ کر تیس سال سے زائد عرصے کے لئے شعر لکھے جن سے ہمارا ادبی ورثہ مالامال ہوا۔



نمونۂ کلام

کٔشیر ——— ۱۸۵۷ء پیٹھہٕ ۱۸۸۳ء تام

اوس ہہ ۱۲ شتھ تہٕ سٹتھ اندرزمان ہجری سنہٕ
درنظر حالاتِ دُنیا یاد چھم ساری تنہٕ
سنہٕ شیتس تام ظُلما اوس غارت بے حساب
کمہٕ وِتھ دِیُن ہر دُو حصّہٕ کارِہ بے گارُک عذاب
ساری ہی ڈری یس سزوُول بہہٕ شقدر کاردار
أسی کینژھ چینژھ گرِیستِس جائس کران تم لاہِہ لار
کاردارس گرِیس سُند جاداد چُوں ارثِ پدر
خاہ نقدی خاہ جنسی بختیارس سٕہ بسر
وَتہٕ پکہٕ وُن آسہے یُد وَے سِپاہ ناکرِدہ کار
واتہہے یتھ جایہ، خلقن کرِہ ہے ئلی لاہِہ لار
کاسِن پٔتیتھ ٹائفس کورمت مُقرر باج سال
اوس لُوٹُک محکماہ بوڈ۔ ناوتتھ نقدی محال
چھان واتل وأنی داندر ژُج تہٕ بہہ کاندر تہٕ کھار
أسی ساری ٹائفہٕ یم چھی تہٕ تم تم باجدار

کشمیر —— ۱۸۵۷ء سے ۱۸۸۳ء تک

۱۲۷۰ ہجری کا زمانہ تھا

جب سے میری آنکھوں کے سامنے تمام حالات گذر چکے ہیں

۱۲۸۰ ہجری تک عوام پر جو ظلم و ستم ہو رہا تھا اُس کا کوئی اندازہ ہی نہیں

کِسان کو ایک تو اپنی تمام فصل حکومت کے حوالے کرنی پڑتی تھی اُس پر جبری کام بھی لیا جاتا

سال بھر سزاوُل، شقدر اور کاردار نام کے حکّام

کسان کی کمائی کھاپی کر، اُسی کی جان کے پیچھے پڑ جاتے تھے

کاردار کے لئے تو کسان کی جائداد گویا باپ دادا کی میراث تھی

کسان کی نقد و جنس پر اُس کو اختیارِ کُلّی حاصل تھا

کوئی آوارہ سپاہی راہ چلتے کسی جگہ پہنچتا

تو لوگوں کو خواہ مخواہ ستانے کے لئے اُنہیں مار بھگاتا تھا

کاریگروں کے ہر طائفہ کو سالانہ باج ادا کرنا پڑتا تھا

اس کے لئے "نقدی محال" کے نام سے ایک لُوٹ کھسوٹ کا ادارہ قائم کیا گیا تھا

بڑھئی، چمار، نانبائی، لوہار، کمہار ——

غرضیکہ جتنے بھی طائفے تھے، سب کے سب محکوم و باج گذار تھے۔

تتھ زمانس منز مُسلمان کرِہ ہے یوٗد یِنہٕ ووٚل
ساری ہی وری یس پریشان اوس آسان گوٚبرِ موٗل
قسطہٕ قسطہٕ اوس ہوران ظالمن کرِتھ جیٚٹہٕ دِیار
اوس درشادی مقرر ہر اکس تفصیلہٕ وار
شال بافس باج شیہ تِرہ روپیہ دِنہٕ آیین سال ۳٦
اوس تتھ وقتس جُدا حُکمہ محالِ داغِ شال
کارہ بیگارُک وَنے کیا اوس آسان شور و شر
گرِ یس پالانہٕ لدِتھ وری یس ہیٚٹھیٚن بند بار خر
یلہٕ یوان کانہہ اوس درکشمیر ہیٚندِہ بہرِ سار
پس جہنم اوس مانسبل نشاط و شالہ مار
گاہ مانسبل تہٕ سُنبل گاہ شادی پور اوس
رات تہٕ دوہ رنگہٕ رنگہٕ سخت آسان شور اوس
اوس آسان رَز تہٕ گز تاراج خلقن مار گنڈ
بژنج بارہ گیوٚ تہٕ کنٹھ زِیُن گاسہ دود تہٕ دارہ ڈنڈ
لیکھہ کاتیا ظلم ہتتھ وقتس ستم گرِ کیٚتی آسی
پژھنہ سہس ہتھ جادہ تہٕ پل ہوٗنی آسان ہیٚتی آسی

اُس زمانے میں اگر کوئی مُسلمان شادی بیاہ کرتا تھا

تو دولھا میاں کے والدین سال بھر انتہائی پریشانیوں میں مُبتلا ہوتے تھے

بیچاروں کو قسط وار ظالموں کی طرف ایک رقم بطورِ تاوان ادا کرنی پڑتی تھی۔

اور یہ رقم ہر کسی پر کسی استثنائ کے بغیر عاید کی جاتی تھی۔

شالباف کو ہر سال چھتیس روپے ٹیکس دینا پڑتے تھے۔

اس ٹیکس کی وصولی کے لئے ایک محکمہ "داغ شال" کے نام سے قائم تھا

جبری کام لینے کے ظلم و جور کا کیا کہو

بیچارے کِسان گدھوں کی طرح سال بھر ہانکے جاتے تھے۔

جب ہندوستان سے کوئی سیّاح کشمیر آتا تھا

تو مانسبل، نشاط اور شالامار کے خوبصورت باغ دوزخ کا نظارہ پیش کرتے تھے۔

کبھی مانسبل، کبھی سُنبل اور کبھی شادی پور میں (جبری کام لینے کے کارن)

بیچارے کشمیری عوام کے رونے دھونے کا شور و شر بلند ہوتا رہتا۔

عوام پر ہر طرح کے ظلم و ستم توڑے جاتے تھے

اور چاول، گھی، دودھ اور دیگر سامان اُن سے زبردستی وصول کیا جاتا

میں اُس زمانے کا ظلم اور اُس وقت کے ظالموں کا کیا حال بیان کروں

(مختصر یہ کہ) ہر آدم خور شیر کے ساتھ سَو کاٹ کھانے والے کُتّے ہوا کرتے تھے۔

یاڑھہ دۄستوی اوس ہر کانٛسہٕ مُشکل آسان پھرن
اوس کوشُر پوژھہ بعضے افسرن بختاورن
اَکھ نِہ نٔنی یۄد آسہٕ ہَن گامَس اندر دستارہٕ واٰلی
مُنلوی اوسک وَلُن تہٕ مُنلوی بیہ جامہٕ ناٰلی
اٰس مُنہٕ جی ٹوٗپی آسان کیا عجائب فتی لہٕ دار
چھٹ کرِہ نس اوسنہٕ کینہہ تتھ زمانس اعتبار
نوشہِ کورے اوس قرمیزی قصابہٕ ہیرِہ کوٗی
کاسبَن نشہ اوس آسان تولہ کنن سیرہ کوٗی
گرٛیس بایہ اٰس قرمزی رنگہٕ آسان ہینگہٕ ڈُجہ
سیرِ وزنہٕ پاٹھ گرمینتھہ برابہ یاو کھشُجی
ساوِنٛین آسان یِکھل تہٕ نتہٕ قرمزی رنگہٕ بوٗٹ
گرٛیسی باین ردپہ موختہ نتہٕ آسان لۄدرہٕ ہوٗٹ
تتھ زمانس منز مروّج اوسنہٕ کینہہ رۄپہ تہٕ سون
اٰٹھ دہ رۄپہ بیہ زنانے اوس زیور ہیرہ بون
سوٗتہٕ تہٕ ہرِدہ ہر سوٗ اوس آسان رگرِ ودار
اٰسی نیران بہرِ آبادی سپاہ تہٕ اہلِ کار

ہر شخص پٹّو کا اُونی کُرتہ پہنا کرتا تھا

سُوتی کُرتہ (لٹھے کا) امیروں کے یہاں استعمال ہوتا تھا

سارے گاؤں میں ایک دو آدمی ایسے ہوتے جو پگڑی باندھتے تھے۔

باقی سب پٹّو ہی کی چادر اوڑھتے اور پٹّو ہی کے کپڑے پہنتے تھے

اُن دِنوں پٹّو کی عجیب سی فتیلہ دار ٹوپی پہنی جاتی تھی

لیکن کپڑوں پہ چھینٹ بنانے کا کوئی رواج نہ تھا

بہو بیٹیاں پٹّو کے سُرخ قصابہ (اوڑھنی) پہنا کرتی تھیں

اور کاریگروں کے یہاں اِس سر چادر کا وزن آدھ سیر کے برابر ہوا کرتا تھا

کسان عورت قرمزی رنگ کی ایک مخصوص رومال پہنا کرتی

جس کا وزن ایک سیر، لمبائی پانچ گز اور چوڑائی چار گرہ ہوا کرتی تھی

خاندانی عورتیں دھاری دار اوڑھنی پہنتی تھیں۔

کِسان عورتوں کے گلے میں نقلی مونگے کا ہار ہوا کرتا تھا

کیونکہ اُس زمانے میں چاندی اور سونے کا عام رواج نہیں تھا۔

ایک عورت کے پاس زیادہ سے زیادہ آٹھ دس روپے کی مالیت کا زیور ہوتا تھا

خریف اور ربیع کی فصل تیار کرانے کے لئے

سرکاری کارندے اور سپاہی ہر طرف تعینات کئے جاتے تھے

لورِ لورِ وۄہ ناوان وایہِ ناوان آسی دانٛد

اوس سیلابس مساوی سۄن وگُن تہٕ کھور تہٕ شانٛد

ناو آبادی گرتم آسی ویرأنی کران!

حیلہِ کرِ کرِ آسی نیران لُوٹ تہٕ غارت کران

آسہِ ہے یُس یتھ علاقس اہلکارا کاردار

اوس برتاراج مردم تس بکلّی یختیار



وہ زبردستی کسانوں کو زمین جوتنے پر آمادہ کرتے تھے

اِس دار و گیر میں بیچارے کسانوں کی حالت ناگفتہ بہ ہو جاتی تھی

زمین کی آبادکاری کے نام پر یہ کارندے بربادی پھیلاتے تھے

اس کی آڑ میں یہ لوگ اِستحصال اور لُوٹ کھسوٹ کیا کرتے تھے

جس علاقے میں جو کاردار یا سرکاری کارندہ مقرّر ہوتا تھا

اُس علاقے میں وہ عوام کے قضا و قدر کا مالک بن جاتا تھا



شاہنامہ کہ ترمیہ جلدٕ منزٕ

اِسفندیارٕ مالِس نشِکایت راجہ نِشِ کران

میہٕ کوٚر تازٕ آئین اُستاوژند
ہیوتُم راج از راجہ مہاراجہ ہیند

اَنِم موٚکہٕ لاوِ تِتھ عزیزانِ شاہ
یِمن دیچھ میہٕ ماوس آرام زاہ

ژھِچھم ننگ و ناموس نہ شرم چانٕ
کرِم کارٕ ژٕمی زانٕ نہٕ قدر مینٕ

شہہَن تورِ یتھ یُوزنم نہٕ سلام
ببانٕزی اَپزٕ دژاو سوروی کلام

اَمِس کینہہ چھُنہٕ وُنِہ اندر خیال
بکھارٕی لدَن پنجرس زن بہ شال

بہ پانے پگہ پادشاہس وَنہ
دزان سینہ چھُم تاب کوتاہ انہ

اِقتباس از شاہنامہ جلد سوم

(اِسفندیار اپنی ماں کے پاس اپنے باپ کی شکایت کرتا ہے)

میں نے استاد ژند کے آئین کی احیاء کی۔
میں نے ہند کے راجوں مہاراجوں تک سے خراج حاصل کیا
میں نے بادشاہ کے عزیز و اقارب قید و بند سے چھڑا کے لائے
اُنہی سے پوچھ، کیا میں نے کبھی آرام کی نیند کی
میں نے تمہارے ننگ و ناموس اور لاج کو برقرار رکھا
میں نے کتنے ہی کارہائے نمایاں کئے مگر اُسنے کبھی میری قدر نہ کی
بادشاہ نے میری واپسی پر میرے سلام تک کا بھی جواب نہ دیا
مُجھے تو معلوم ہوتا ہے کہ اُس کی ساری گفتگو محض دکھاوا تھی
شاید اُسے آج تک یہ بھی معلوم نہیں ہو سکا
کہ میں چاہوں تو گیدڑ کی طرح اُسے پنجرے میں بند کر سکتا ہوں
میں کل خود ہی اُس سے یہ سب کچھ کہہ ڈالوں گا
میری چھاتی دہکتی ہوئی آگ میں تپ رہی ہے

کرِیسی پوٚز سُہ وعدہ دِیم تخت و تاج
بوٚچھُس زیرِ فرمان تمُس لاعِلاج
وگرنہ سُہ از تخت والِن پتھر
بہ مَردی تمس نوٚنہ بوٚ تاج و زر
وُچھ بوٗ سُہ کیاہ پہلوانی کرِے
سُہ چھُم پیٚوٗ ٹھمت راجہ لاگِنہ گرِے
بہ شمشیر پوٚزِتھ کھیٚمو پانہ وانی
ژٕہ والُس نکھہ چھیک تسنٕز خاصہ رانی
دوٚیُس ماجہ ہاراجہ کُن وارِہ تھلو
ژٕہ کر صبر ناحق مہ کر ٹاو ٹاو
ژٔرۍ کیا چھُوی وُنے تاجہ کوٗی یوت ٹنر
غنیمت وُنے چھُوی یہوٚی اُڈی جہ کرٕ نر
ہنٕز تھان آس تمُس وُنے وانے ڈکھ
مہ تُل پرٕدہ کینہہ اُمی ہنزٕ ترٕاپہ بکھ
کرِے کیاہ مرے انٕ پگہ پادشاہ
ہر ہر وِران یتھ زمینس چھُ پاہ

اگر وہ وعدے کا سچا ہے تو تخت و تاج میرے سپرد کرے گا

اُس نے ایسا کیا تو پھر میں ہمیشہ اُس کی فرمانبرداری کرتا رہوں گا

نہیں تو، میں اُسے تخت سے اُتار لوں گا

اپنے بازو کے زور سے اُس سے تاج چھین لوں گا

میں بھی دیکھ لوں کہ وہ میرے مقابلے میں کتنی بہادری دکھاتا ہے،

خواہ مخواہ کا وہ گھر بیٹھے بادشاہ بنا بیٹھا ہے۔

ہم شمشیر لڑا کر ایک دوسرے کا دم خم دیکھ لیں گے

تو اُسے پہلے کہہ، کیونکہ تو اُس کی چہیتی رانی ہے

ماں نے اُسے کہا اے میرے راجہ، میری بات سُن

تو صبر سے کام لے اور یوں بڑھ بڑھ کے باتیں نہ بنا

تُجھے ابھی سے تاج حاصل کرنے کی اتنی فکر کیوں لگی ہے

ابھی تو اُس کے لاغر جسم ہی کو غنیمت سمجھ

ابھی تو اپنے باپ سے مشورے لیتا رہ

اُس کے مُنہ نہ لگ، بلکہ اُس کی نصیحتوں پر چل

آج نہیں تو کل اُسے مرنا ہی تو ہے

اِس زمین کی کھاد کتنے ہی سرداروں کے سر بنے۔

مہ کر پادشاہس ژہ او زُدہ دِل
نچاعمی گرِ ژھک خار، ناحق ژُجل
کرِی قید ناحق بہ زنجیر پاے
چھیہ پژاران ژیہ گرِ ژھ شیری ہتھی پرآئی جائے
مہ باکر ژہ در پادشاہی فساد
دِژہ گنبداں پژون چھوی ناژیہ یاد
بہر مُلک ژی چھک ہیوان رسم باج
فقط چھوی ژیہ نارِس نِشتے تخت و تاج
ژیہ تابع چھی نا افسر و اہلِ کار
ژیہ بر مال و دولت چھوی نا یختیار
مہ کر تاج و تختس پیٹھن اِضطراب
سنچاعمی گرِ ژھک مارِہ ناحق خراب
بنکھ پادشاہ ژی یس ازمرگِ شاہ
ژہ چھک واٗرِث تخت و تاج و کلاہ
زیہ گفتارِ مادر پراگندہِ گوو
پریشان، پشیمان تہ شرمندہ گوو

تُو بادشاہ (اپنے باپ) کا دِل آزردہ نہ کر

تو اپنی خامکاری کی وجہ سے ناحق مُصیبتوں میں مُبتلا ہوگا

وہ تجُھے پاؤں میں زنجیر ڈال کر قید کرے گا

تیرے لئے وہ پُرانی کالی کوٹھری اِنتظار کر رہی ہے

تو سلطنت میں یوں فتنہ و فساد برپا نہ کر

کیا تجُھے دڑ (قید خانہ) یاد نہیں؟

تُو ہر مُلک سے باج اور خراج حاصل کرتا ہے

اب صرف ایک اپنے باپ کے پاس تجُھے شاہی تخت رہا ہے

کیا تیرے ماتحت حُکّام اور دوسرے سرکاری کارندے نہیں ہیں

کیا تجُھے مال و دولت پر کُلّی اختیار حاصل نہیں؟

تُو تاج و تخت حاصل کرنے کے لئے اتنی بے صبری نہ دِکھا

کہیں اپنی خامکاری کے باعث تُو تباہ نہ ہو جائے

تو اپنے باپ کی وفات کے بعد خود ہی بادشاہ بن جائے گا

تو اُس کے بعد اس تاج و تخت کا وارثِ اعلیٰ ہے

اپنی ماں کی اس گفتگو سے وہ بہت پراگندہ خاطر ہوا

اُس کی پریشانی اور پشیمانی کی کوئی حد نہ رہی۔

دۆیُن ماجہِ کُن میہ چھُ آزمودٕہ پٔریون
زنانے چھُ ئژ ٹوٹھ زیوَر تہٕ رُون

نحوُست زَدس چھک شکس لدٕ ثہٕ رآئی
گیی نہٕ گوارا دِلَس کتھ ثہٕ مینز

بُڈِتھ چھےَ گمژ نوجرس کُن ثہٕ رائے
وُنے رآئی ہنز چھےَ بخاطرِ ثہٕ مائے

گیی پادشاہ بائے کآتزاہ خجل
بہ سختی کڈٕس خام نہی پوختہٕ ہِٹھل

زہٕ مادرِ سُہ اوزُمدٕہ گووِ کینہ ور
دیان ہُون کھیتھ وژاو زَن شیرِ نرَ



اُس نے ماں سے کہا میں نے پُرانی کہاوت سُنی تھی

کہ عورت کو اپنا زیور اور خاوند بہت پیارا ہوتا ہے

اس منحوس کی تُو ایک منحوس رانی ہے

تُجھ پر میری بات کا ذرّہ بھر بھی اثر نہیں ہوا

بُوڑھی ہوکر بھی تو اپنی جوانی کو نہیں بھُولی ہے

اب بھی تُجھے اپنے خاوند کا اتنا پاسِ خاطر ہے

رانی اپنے بیٹے کے اِس جواب سے بہت شرمندہ ہوئی

خامکار بیٹے نے ایک اچّھا سبق دیا۔

اپنی ماں سے وہ حد درجہ آزردہ ہوکر چلدیا

بالکل ایسے جس طرح ایک شیر شکار ہڑپ کرکے چلے



ژیٚھی

رُستم تہٕ کوکی زاد

بہ کشتی کوٚرُکھ حملہ پوٗرُکھ اتھہ
دِوان اَکھ اَکِس اَسی مُشتہ لَتہٕ
یہِ تَس از سرِ کینہٕ گردن رٹان
سُہ تَس ژُمجہِ ہیٚتی سینہ ژٹان
یہِ پھاوان تَمِس بَستہٕ پُشتہ رَٹتھ
سُہ ہاوان یَمِس ہیم مُشتہ وٹتھ
یہ ترٛاوان خرمائے ہاوان ژھل
سُہ بوزان زِیُونم یہ روزان تل
سُہ کوہزادہ بےہودہ مستی کران
سیٹھا تنگ گو وپیش دستی کران
سُہ گردن رٹتھ موچھہ اندر ہیوتُن
بہ پیشِ پدرِ نیوٗن دآرِتھ دِتُن

کُشتی

(رُستم اور کوکی زاد کے مابین)

کُشتی شروع ہوئی، ایک دوسرے کے ہاتھ لگ گئے

دونوں ایک دوسرے کو مُشتوں اور لاتوں سے اَدمُوا کرنے لگے

رُستم غیظ و غضب سے اُس کی گردن دبوچتا

اور کوکی زاد اُس کے سینے پر ایسا ہاتھ مارتا گویا لوہے پر ہتھوڑا

رُستم اُس کی پُشت پُورے زور سے اپنی گرفت میں لاتا۔

اور کوکی زاد اپنے داؤ پیچ سے اُس کے دِل میں خوف و ہراس پیدا کرتا

رُستم جھوٹ موٹ کی کمزوری دکھا کر نئے داؤ کی تدبیر کرتا

اور یہ اپنی ناسمجھی سے خیال کرتا کہ میں نے اُس کو جیت لیا۔

کوکی زاد اپنی نادانی کی وجہ سے خوش ہونے لگتا

حالانکہ رُستم کو پچھاڑنے کی طاقت اُس میں تھی ہی نہیں

بالآخر رُستم نے اُسے گردن سے پکڑ کر اُوپر اُٹھا لیا

اور اپنے باپ کے پاس پہنچا کر اُسے زمین پر دے مارا

شبیدٕ تہٕ کے خسرو

رٹان زورٕ تم اکھ اکس زنگ آسی
بہ مردی دِوان اکھ اکس ڈنگ آسی
گرا اکھ اکس اوّس گردن رٹان
لتہ زورٕ سیتیٖن زمینس ژٹان
بسینہ دِوان اکھ اکس پنجہ آسی
بصد زور شانن دِوان ژنجہ آسی
کران اوس شہزادٕہ ہرچند زور
دِوان پیچ شہمار زن اوٕہ یور
مگر روٗٹ شہہن انہ کمر بند تنگ
زنگن دون کورن تس بند بیر ڈنگ
کلس پیٹھ تُلن تھوٗد سہ اللہ برتھ
دِتن سوٗی نکھ پیٹھہ کنی زن دِرتھ
سپنی ریزہ ریزہٕ تمس اُستخان
اکی ضربہ سیتین سہ گو نیم جان

شیدہ اور کیخسرو کے مابین

وہ قوت کے ساتھ ایک دوسرے کی ٹانگ پکڑتے۔
اور بڑی زور آزمائی کے ساتھ داؤ پیچ کھیلتے تھے۔

کبھی ایک دوسرے کی گردن دبوچیتا تھا
اور کبھی قوت کے ساتھ زمین ہلا دیتے تھے
وہ ایک دوسرے کی چھاتی پر غضب کے ہاتھ مارتے
اور ایک دوسرے کے کندھوں کو ہاتھ مار مار کر بے حس بنا دیتے
شہزادہ اپنی طرف سے بڑی زور آزمائی کرتا تھا
اور شہمار کی طرح بڑے پیچ و خم لیتا تھا
مگر کیخسرو نے اُس کو کمر بند سے اس طرح پکڑ لیا
کہ اُس کی دونوں ٹانگیں جیسے رسی سے بندھ گئیں
کیخسرو نے خدا کا نام لے کر اُس کو اپنے سر پر اُٹھا لیا
اور پھر زمین پر ایسے گرا دیا جیسے وہ ایک بھاری پتھر تھا
اُس کی ہڈیاں چُورہ ہو کر رہ گئیں
ایک ہی ضرب سے وہ نیم جان ہو گیا۔

"اکبر نامہ" منزٕ کینہہ شار

انگریزن سیتی کوبلین ہُنٛد گوربلا جنگ

بہ بازارِ کابُل پکان بے خبر
دُرآئیو گرِکھ پیش وپس بستہٕ در
پَشو بیٹھہٕ زنانو کوٗرکھ قتلِ عام
فرنگی کران آسی موٗنئین سلام
چھکان کَنہٕ بعضے دِوان چوٚنچہٕ گیٖل
زِبہٕ وحشتہٕ زمینس اڑان آسی تَل
دِوان گیہ زنانہ بیندر دآری دآری
پھِنبہٕ تاسہٕ وِی زیادہٕ انگریز مآری
دَگِنی تے ہُھلی کیا چھکِک بار بار
چھکان کَنہٕ بعضے چھکان آسہٕ نار
دِوان دیگہٕ دآرتھ تمن وانہ وآلی
گرٛھان زَن تمن طوق لعنت سوٗنالی

اقتباس "از اکبر نامہ"

انگریزوں کے ساتھ کابُل کے پٹھانوں کی گوریلا جنگ

کابُل کے بازاروں میں وہ اپنے انجام سے بے خبر چلتے رہے
دُرّانیوں نے اُن کو آگے پیچھے جانے کے راستے مسدود کر دئے
عورتوں نے چھتوں پر چڑھ کر اُن کے قتلِ عام کی مہم شروع کی
بیچارے فرنگی ہاتھ جوڑ کر ان چھتوں کو سلام کرتے تھے۔
کچھ اُن پر پتھر پھینکتے، کچھ بڑے بڑے لکڑی کے چمچے
اور انگریز سراسیمہ ہو کر اِدھر اُدھر جان بچانے لگتے۔
عورتیں اُن پر چرخے گرا دیتے، بھاری بھرکم چرخے
اور انگریز اُن سے لہو لہان نیم بسمل ہو جاتے
موسل، اور اِسی قبیل کی دوسری بھاری چیز اُن پر گرا دیتے
یہاں تک کہ جلتی آگ گرا کر اُن کو بُون کے رکھ دیا جاتا
دُکان دار اُن پر مٹی کے مٹکے اور ہانڈیاں گرا دیتے
اور وہ اُن کے گلے میں طوق لعنت کی طرح ہار بن جاتے

یِوان چھان زاگِتھ دِوان تورِ دب
مَران یُس فرنگی کران تس حطب
عجب جلوہ کر کیا کران آسی ژھل
ژسکنجس لُدِ کھ تم کِتابو بدل
کُجک شیر اکہِ تہ واتلو ترؤو غم
مَران یُس اکھا تس تلان آسی ژم
بیِتھ کنی دُرانی لڑان بیش وس
فرنگیّن کُڈ آنی زِتہ گو رژہ نفس
فرنگیّو یہ کوچہ سیٹھاہ حملہِ کری
ولیکن بیٹھُس پیٹھ سپدی مُودی ژری
دُرانی سپاہ آسی بندوق ہیتھ
کران ماتفشہ اُکی سی مَران اُٹھ ستھ
پشن پیٹھ کھسِت طشتہِ تراوان ڈُلہ
اَکی طشتہِ پاوان ہتہ بُدی کلہ
تباہ خوردِہ انگریز ژلی پانژ ہتھ
گِلگھ ساڑستہ ہتھ شریف خان ہیتھ

بڑھئی لوگ چپکے چپکے ایک آدھ انگریز کو پکڑتے

اور اُسے اپنے ہتھیاروں سے چھیل کر رکھ دیتے

جلد ساز بھی کسی سے پیچھے نہ رہے۔

اُنہوں نے کتابوں کی جگہ فرنگیوں کو شکنجوں میں کس لیا۔

چماروں نے قیامت کی جُرأت و بہادری دکھائی

وہ فرنگیوں کو پکڑتے اور تیز چمروں سے اُنکی کھال اُدھیڑتے رہے

ایک طرف سے یہ حال تھا، اور دوسری طرف سے دُرّانی بہادر

اپنے گرزوں سے انگریزوں کا کچومر نکالتے تھے

انگریزوں نے بھی اپنی طرف سے بہت کچھ زور دکھائے

مگر کچھ پیش نہ چلی اور ایکدوسرے پر گرتے گراتے جاں بحق ہوتے رہے

دُرّانی فوجی بندوق اُٹھائے جب —

ایک کانشانہ کرتے، تو آٹھ دس انگریز مرجاتے۔

وہ چھتوں پر چڑھ کر اُن پر بھاری طشتریاں پھینکتے

اور ایک ایک طشتری سے دس دس کو بسمل بنا دیتے

پانچ سو انگریز تباہ و برباد ہو کر بھاگ گئے

شریف خان غدّار کے سمیت اُنکے کوئی ساڑھے سات سو آدمی مر گئے

امیر دوست محمد نی ووڈ اکھ پینہ لنس نیچوس حیدر آسن پلیٹھ

بُس اَنگہ یزو قید اوس گوٚرمُت

وُچھاَئی وَتہ ژےپَتہ لارِیو

تھوٚکُم اوٚش ودان خوُنِ دل ہاریو

سُنِی ماژیہ زنجیر نازک کھورَن

سِتَم گوم کوٚہ دود سنداریو

کریٚتھ ما ودان چشم بادام تر

فقیری ہیٚمے بان ووٚنی ماریو

میٚہ کرِ تیز ژشکر تہ لَندن گمے

زمینس رَگہ ہرطرف چاریو

ودے ناژیہ وآئجہ تھوو تھم فراق

بو شیریں کتھن یارہ کن داریو

بو یوٚد زندہ روزہ تہ مردی کرہ

کہ آبِ زمین آسمان کھاریو

یہمنا اُچھن دون اَندر لَلہ وَتھ

یہن جاے بینس اندر شیریو

امیر دوست محمدؒ کا نوحہ —— اپنے بیٹے حیدر پر
(جو کہ انگریزوں کے ہاتھوں قید ہوتا ہے)

میں تیری راہ دیکھ دیکھ کے افسردہ ہو گیا ہوں۔

آنسو خُشک ہو کر اب خُونِ دِل رو رہا ہوں

تیرے نازُک پاؤں میں بیڑیاں بوجھل تو نہیں ہوئیں

آہ کہ میرا جِگر چھلنی ہو گیا، میں کیسے سنبھل سکتا ہوں

تُو نے روتے روتے اپنی بادام ایسی آنکھوں کا بُرا حال تو نہیں کیا

میں تیرے لئے دُنیا ترک کر کے، تجُھ پر اپنی جان قُربان کروں

کاش مُجھے اتنی فوج ہوتی کہ لندن تک جا پہنچتا

میں اِس دھرتی کی وُسعت کو سکیڑ کر مختصر بنا دیتا۔

میں کیوں نہ روؤں کہ تیری جُدائی میں گھُل رہا ہوں۔

میں تیری ایک شیریں کلامی کے لئے ترس رہا ہوں۔

اگر میں زِندہ رہا تو بہادری کے جوہر دکھا دوں گا۔

میں اِس زمین کو آسمان سے مِلا کر رکھ دوں گا۔

کاش تُو آئے اور میں تجُھے اپنی آنکھیں فرشِ راہ بناؤں گا

کاش تو آئے اور میں اپنے دِل میں تیرے لئے مسند بچھاؤں

حُلیہٕ نگاری

دوست محمّد خان سٕنٛزِ نوشہٕ ہنٛز

پٕرِی رو سمن بو سو نوزُک بَدن
اَسہ وٕنی کھسہٕ وٕنی دَرہ نُون زَن
پریشان زُلف شام غم دامِ دِل
چھیہٕ از رمزِہ شرمندِہ سنبل تہٕ گُل
یَنٛبرزل وُچھت چشم جادُو نگون
بہٕ عِشوِہ سیٹھاہ ہَرنوِی ہور خُون
اُچھر وال چھِس تیز نیزو کھوٕ تہٕ
کران تیرِ مژگان سینس دوٕ تہٕ
وُچھت سُرخ لَب دُرِّ مرجاں خجِل
گُلاُس توٕرے داغ حسرت بہ دِل
وَنِے کیاہ سوٕ کِژھ ماری مٕنٛز نازنین
نتہٕ آسِ تصویرِ ارژنگِ چِھین

حُلیہ نگاری

(امیر دوست محمدؐ خان کی بہو کی)

وہ نازُک بدن، پری رُو اور سمن بُو تھی

وہ چودھویں کے چاند کے مانند حسین و جمیل تھی

اُس کی دراز زُلفیں دِلوں کے لئے جال بچھا دیتی تھیں

اُس کی ایک ادا پر طوطی رِیجھ جاتے تھے

نرگس اُس کی جادو بھری آنکھیں دیکھ کر شرمسار ہوتی تھی

اُس کی مست خرامی کو دیکھکر ہرن اپنی چوکڑی بھُول جاتے

اُس کے مژگاں برچھیوں سے بھی زیادہ تیز تھے

جو کہ انسان کے جگر کو چھلنی بنا کے رکھ دیتے

اُس کے سُرخ ہونٹوں کے سامنے درِ مرجان بے آب ہو جاتے۔

اور گُل لالہ کے سینے میں داغ پڑ جاتا۔

میں کیا کہوں کہ وہ کتنی حسین و جمیل تھی

وہ تو ایسی لگتی تھی جیسے کہ ارژنگ چین کی تصویر تھی۔

"سُلطانی" مَنٛزٕ اَکھ واقعہ

چھُوی لیٚکھان خاجہ حَسن در موسم ماہِ بہار
وُچھ مێٚنٛہ درویشا ہِہنٛہ پیٚشبرِہ نزدِ آبشار
بو تہٕ تَس نِشہ گوس ہیٚوٚٹھس مُتصّل باپیش رو
کوٚرمێٚنٛہ ہیتٕنٛ تٔمی بہ درویشی بخوشش کیٚنٛہہ گفتگو
دوٚپنہٕ در کشمیر کمترٲسی تہٕ آسن وٲلی
در ہندُستان فٲضل وافضل تہٕ اکمل کٲملی
عٲبدان و زٲہدان کٲشر زیٚنٛہ وحدت بے خبر
غیر زان از معرفت ڈینٛٹھِم خلٲیق سَربسَر
گوس بو در خدمتِ سُلطان کوٚرُم تَس عرضِ حال
آو سُلطان یانہٕ تَس نِشہ وُچھ نٔے تٔمی سُند کمال
اوس قطب شہرِ خود شہرِ ہزارٕک حُکمران
تَس تنٛتیوٗک روشن ہمہ او حال از برائین وآں

کتاب سُلطانی
میں سے
ایک واقعہ

خواجہ حسن کی روایت ہے کہ بہار کا موسم تھا۔
میں نے ایک درویش کو پشبر کے مقام پر بیٹھے ہوئے دیکھا۔
میں بھی وہاں گیا اور زانوے اَدب تہ کر کے اُس کے سامنے بیٹھا۔
اُس درویش نے میرے ساتھ بہت سی باتوں پر گفتگو کی۔
اُس نے کہا کہ کشمیر میں بہت کم ولی ہوئے ہیں، اور آئیندہ بھی ہونگے
البتہ ہندوستان میں بڑے بڑے عالم وفاضل اور مردِ درویش ہوئے ہیں
کشمیر کے تمام عابد اور پرہیزگار لوگ وحدتِ الٰہی سے بالکل نابلد ہیں
میں نے یہاں کے تمام لوگ معرفت کی راہ میں اجنبی پائے
درویش کی یہ باتیں سُن کر میں حضرتِ سُلطان رح کی بارگاہ میں حاضر ہوا
اُنہوں نے جب مجھ سے یہ واقعہ سُنا تو خود اس درویش کو دیکھنے آئے
یہ درویش شہر ہزارہ کا ایک پہنچا ہوا قطب تھا
اور اپنے مُلک کے تمام واقعات پر وہ کلّی دستگاہ رکھتا تھا۔

ژمی دوٚپُس چھُوی کاشرِین اندر ژیٚہ حوصلہ زیادہ کم
یوٚدمیٚہ نشہ کینہہ کال روز کھ شاید بنی کینہہ یاز ہم
حضرتِ شیخن وُچھُن اِستادِہ رُوزِتھ فیر چھیان
سَر مُراقبہِ رُودتَس دَرویشہِ سی برامتحان
قوطبیت ژمی سنٛز دِژہِن تَس فیرچھانس حضرتن
قوطُب گو بے دخل از مغروریے نشۂ وطن
بے خبر از حال شہرِ خود سیٚن بے دست گاہ
اَز پریشانی کوٚرُن بَرحال خود افسوس وآہ
ہم چوُ سایہ پیو بزیر پاے پاکِ شیخ دین
عَفو کرہ تَم خام اوُسُس بے خبر از آن و این
حضرتِ شیخَن دوٚپُس اِتھ پیٹھ ژیہ اوسوی یوٗت نِشن
گو غریبس ناتوانس فیر چھانَس پیش کش
چھانہِ شہرُک قوطب شوٗبی میانہِ شہرُک فیرچھان
میٚنی کاشرِ بوکھ چھا اَز سرِ وحدت غیر زان

درویش نے حضرتِ سلطانؒ سے کہا کہ کشمیریوں میں تجھے کچھ معرفت کا علم ہے

لیکن میرے پاس آتے رہو گے تو شاید کچھ اور بھی حاصل کرو گے۔

حضرتِ سلطانؒ نے پاس ہی ایک بڑھئی کو کھڑا دیکھا۔

اُنہوں نے مراقبے میں سر جھکایا اور درویش کا امتحان کرنے لگا۔

اُس درویش کی قطبیت نادار بڑھئی کو بخش دی

بیچارہ درویش وطن کے نشے میں مست سب کچھ کھو بیٹھا۔

اپنے مُلک پر اُسے جو دستگاہ حاصل تھا اُس سے ہاتھ دھو بیٹھا۔

پریشان ہو کر بہت گریہ وزاری کرنے لگا۔

ناچار حضرتِ سُلطانؒ کے قدموں پر گر پڑا۔

اور اپنی خامکاری اور نادانی کے لئے معذرت چاہنے لگا۔

حضرتِ سُلطانؒ نے اُسے کہا کہ تجھے جس چیز پر اتنا فخر تھا۔

وہ میں نے اِس مفلس بڑھئی کے حوالے کر دی

تیرے شہر کا قطب میرے شہر کے بڑھئی کے برابر ہے۔

کیا میرے کشمیری لوگ معرفتِ الٰہی سے نا آشنا ہیں۔

مناجات

اِلٰہی چھُس بو بَندٕ چھک ژٕ معبوُد
گژھے سوُروی فنا تہٕ چھک ژٕ موجوُد
قدیم اوسُک تہٕ آسک ژٕی ہمیشہ
قدیمس اِبتداء کینٛہہ چھُم نہٕ مشہود
نہ کینٛہہ اَنتھ قُدرتس ژٕے اِنتہا چھُی
یُتھوٗی اوسک تِتھوٗی آسک ژٕ موجود
ژٕ یہٕ چھوٗی ظاہر تہٕ باطن حال روشن
ژٕ ہٕ اوّل تا بہٕ آخر بوُد و نابوُد
کوٗرُت از آسمان رُودُک بہانہ
بقدرت چھِی معلق شین تہ رُود
مژے اندر کرِتھ یاقوت و فیروز
ہیچے اندر کڈِتھ ژٕے صندل و عوُد

مناجات

اے میرے مولا! میں تمہارا بندہ ہوں اور تُم میرے معبُود ہو

ساری کائنات فنا ہو جائے گی، مگر تمہاری ذات سدا برقرار رہیگی

تیری ذات ذاتِ قدیم ہے اور آیُندہ بھی رہے گی

تمہاری یہ قدامت ازلی ہے جس کی کوئی اِبتداء نہیں

تیری قُدرت کی کہیں اِنتہا نہیں

جیسے تمہارا وجود (ازل سے پہلے) تھا ویسے ہی (ابد کے بعد) بھی رہیگا

تیری نظر ظاہر و باطن پر ہے

کائنات کی اِبتداء سے اِنتہا تک بود و نابود تُجھ پر عیاں ہے

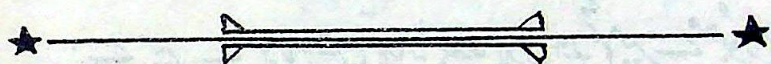
آسمان سے بارش کا گرنا محض ایک بہانہ ہے

(حق تو یہ ہے) کہ تو نے اپنی قُدرت سے برف و باراں کو معلّق کر رکھا ہے

(یہ صرف تیری قُدرت کا کرشمہ ہے) کہ تو نے مٹی سے یاقوت و فیروز نکالے

اور لکڑی سے صندل و عود برآمد کر لیا۔

الٰہی تھاو تم در دین و دُنیا
ہمیشہ یا فراغت خوش تہ خوشنود
وہاؔب از کارِ خود گومُت پشیمان
اِلٰہی عاقبت تس کر تہ محمود



غزل (متصوّفانہ)

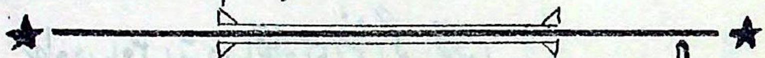
یہ شر اکھ شوق چھُوی پانس تہ در میخانہ اَڈ
یہ خر اکھ ذوق چھُوی جانس تہ بے پیمانہ اَڈ
چھُک اگر جانباز جانبازی چھیہ کارِ عاشقاں
بہر جانبازی بنارِ شمع یا پروانہ اَڈ
از رموزِ عشق یدوے چھُوی گژھن محرم براز
تراو دانائی تہ اے فرزانہ با دیوانہ اَڈ
از فنا یوڈ وے بقا حاصل کرن چھُی گژھ فنا
در فنا فی اللہ بقا باللہ بنِی مستانہ اَڈ

اے میرے معبود! میری دُنیا و دین بنائے رکھ

مُجھے فارغ البالی اور خوشنودی سے سرفراز کر

وہاؔب کو اپنے کیئے ہوئے پر پشیمانی ہے

مگر اے میرے مالک! تو اُس پہ رحم کر اور اُس کی عاقبت کو سدھار



غزل

(مُتصوّفانہ)

چلے آو مے خانے ہیں اگر تمہیں شراب کا شوق ہے

آ پیمانے کے بنا گھُس آو اگر تمہاری رُوح کو خرابات نشینی کی تشنگی ہے

جانبازی عاشقوں کا چلن ہے

اگر جانباز ہو تو جان پر کھیل کر پروانے کے ساتھ شمع کی لَو میں چلے آو

اے عقل کے متوالے عقل کا ساتھ چھوڑ اگر محرم رموزِ عشق ہونا چاہتے ہو

عقل سے کنارہ کش ہو کر اس عالم میں دیوانوں کے همراہ چلے آؤ

اگر تمہاری مراد فنا سے بقا حاصِل کرنا ہے تو بے دریغ فنا ہو جا

فنا فی اللہ ہونے میں ہی بقا باللہ بن جاؤ گے۔ اس لئے مستانہ وار چلے آؤ

یہ خیالِ آشنائی چھُوی تہٕ ژھینٕہ ازٕ آشنا
زان سٕپنی پانہٕ ہی نتش جان چھُوی بیگانہٕ اژ

دوی ژہٕ پانس درمیان چھےٚ ینہٕ زانک "ژہٕ تہٕ "بو"
"ژہٕ تہٕ "بو" تتہٕ کُنہٕ چھےٚ نہٕ تت تہٕ یت یکسانہٕ اژ

قطرٕ دریاوس تہٕ دریا قطرٕ ہی نش گو ظہور
قطرٕ در دریا تہٕ دریا قطرٕ کوی دُردانہٕ اژ

اَتھ سرس اندر بحیرت حیرتس اندر وہاب
یہ دُچھک آبادِ دُنیا تہٕ درویرانہٕ اژ

غزل

از نارِ ہجرت زولنس اُمی بالہٕ یارن خندہ لب
کوٚرنم ژٕنڈرہ بہ گاٹجنس اُمی بالہ یارن خندہ لب

دٕرلرزہٕ چھس سیماب زَن، کوٚرنم غمن گرداب زَن
شینس میٚہ کوٚرنم آب زَن، تاپَن تہٕ ہارَن خندہٕ لب

اگر تمہیں آشنائے راز ہونا مقصود ہے تو آشنا سے قطع تعلق کر اور بیگانہ ہو جا

تُم اپنے آپ سے معرفت نفس پا سکو گے لہذا بیگانہ بن کر ہی چلے آؤ

دوئی تیری اپنی پیدا کی ہوئی ہے یہاں "من" و "تو" کا امتیاز نہ کر

(اس عالم میں) "من" و "تو" نہیں ہے آؤ یہاں یہ عالم اور وہ عالم یکسان سمجھکر چلے آو

قطرے نے دریا سے ظہور پایا اور دریا نے قطرے سے

قطرہ دریا میں سمویا ہوا ہے، اور دریا قطرے میں (تُو بھی) موتی کیطرح اس دریا میں چلے آو

یہ راز حسرت ذرّہ وھاب کے لئے باعثِ حیرت ہے

اگر تمہیں آباد دُنیا کا نظارہ کرنا ہے تو ویرانوں میں چلے آو

غزل

میٹھی مسکان کیساتھ محبوب نے جُدائی کی آگ جھونک کر مجھے خاکستر کر ڈالا

یہی وہ مسکراتا محبوب ہے جس کی دُوری نے مجھے نڈھال کرتے کرتے ہلال صورت بنا دیا ہے

محبوب کی مسکان میرے لئے ماہ ہار کی دھوپ ہے، جس کی شدت سے میں برف کیطرح پگھل گیا

غموں کے بھنور نے مجھے گھیر لیا ہے اور میں سیماب کیطرح لرزہ براندام ہوں۔

یتھ تاپہ سیتین گاٹھ جنس، آوارہ شاٹھن لاٹھ جنس
رویس مُنتھت آب واٹھ جنس، جوین تہ آرن خندہ لب

دِیرے دو دُر میہ ژون نم، ٹُمری پیٹھی میہ سیلاب اوّن نم
ٹُمی بلہ یہتر نژون نم، چُھس سینہ دارن خندہ لب

دیوانہ از جادوگری چھُس بستہ اندر ساحری
ہوون میہ آں روئے پری اُمی جود گارن خندہ لب

ہاوِتھ یہ سنبل دستہ مے کوٚرنم یہ دِل ٹُمی خستہ مے
ژویُن جگر آہستہ مے۔ ٹُمی کالہ مارن خندہ لب

ناگاہ ببالین یار آم، چُوں سروِ خوش رفتار آم
باناز خوش گفتار آم، ژن موختہ ہارن خندہ لب

ہوون میہ روئے نازنین، ڈِیوٚٹھم سو زیبا مہ جبین
کارے گلن مارن یہ کین، دوٚن گوشوارن خندہ لب

بہرِ قدم بوسی مَلک ڈِیٹھم یوان جن و ملک
وہاب گژھ نزدیک پکھ اُشی جو یہ ہارن خندہ لب

میرے محبوب برف کی مانند پگھلا کر مجھے پانی میں تبدیل کر لیا اور ویران گھاٹیوں میں آوارہ کیا

یہ اُسی مسکراتے محبوب کی کارستانی ہے جس نے مجھے شرمندہ کر کے ندیوں اور نالوں میں بہا دیا

اُس نے میرے (وجود کے) بید کو کیڑا بن کر کاٹ کھایا، اور مجھے غرقِ آب کر دیا۔

مگر جب اس میں اُس نے میری بھلائی سمجھی تبھی میں مسکراتے ہوئے سب کچھ سہتا ہوں

اُس ساحرہ نے اپنا پری وش چہرہ مجھے مسکراتے ہوئے دکھایا

میں اُس کے جادو سے پابند سلاسل ہو گیا اور دیوانہ ہوا چاہتا ہوں

اپنے دستۂ سنبل (زلفِ سیاہ) کی نمائی سے اُس نے میرے دل کو نحیف کر دیا۔

(چنانچہ) اُس مارِ سیاہ (زلفِ سیاہ) نے مسکراتے ہوئے میرے جگر کو ڈھیر ڈھیر چبا ڈالا

میرا سرو اندام اور خوش رفتار دوست اچانک میرے سرہانے آیا

خوش گفتار اور ناز و ادا کیساتھ آنے والے محبوب نے مسکراتے ہوئے موتی بکھیر دیئے

اُس نے مجھے اپنا نازنین چہرہ دکھایا، اور میں نے بھی اُس حسین کو دیکھ لیا۔

اُس نے میری طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے گردن ہلا کر کانوں کی دونوں بالیوں کو جھٹکا بھی دیا۔

میں نے اُن کی قدمبوسی کیلئے آسمانوں سے جنوں اور فرشتوں کو بڑھتے ہوئے دیکھا

وہابؔ تو بھی خوشی کے آنسو بہاتے ہوئے قریب جا

غزل

میٚہ کیا چھُم یارہ چارہ گیٚس بیمار بُلی بُلی
میٚہ چھم شہار وارہ سراپا نال ژُلی ژُلی

نہ چھُس زِندہ نہ مُردہ کولیٚن ہند پاٹھی ہردہ
دزان چھُس عشقہٕ دٔردہ نٔوان بیہ سوٚنتہ گٔلی گٔلی

میٚہ ہٕری پیٚٹھی گوم سیلاب بو چھُس مخمور درخواب
میٚہ کیٚئسرے انٛبرس آب سٕینی تالاب ٹٔلی ٹٔلی

میٚہ دوٚپ چھی دستہٕ گُل میٚہ پوشن لوگ بُلبُل
خیالس پیوم سنبل۔ وُچھم تم مار ۂلی ۂلی

زیٚہ خوفِ کالہ ماران۔ بیہ انز تیرِ باران
ژلان عاشق چھ لاران یوان پھیرت چھ ژٔلی ژٔلی

غریبن خوٗن ۂرتھ۔ ہزاران جان مٲرت
بہ تقوٰی خرقہ پُورتھ مسہ زیٚن زال چھٔلی چھٔلی

وہاؔبو دورِ ظالم یہ تھاوان چھُنہ سالم
ژٹت اُمی شاخ وٲلم میٚہ تیرے سیتی تھٔلی تھٔلی

غزل

اے دوست میرا چارہ کار رہا کیا جبکہ میں صحت مند ہوتے ہوتے پھر مرض عشق میں گرفتار ہوتا ہوں۔
مجھے تو زلف کے اژدھے نے سراپا گھیر لیا ہے۔

نہ میں زندہ ہوں اور نہ مردہ بلکہ خزان کے درختوں کی طرح

میں سوزش (عشق) سے جل رہا ہوں۔ لیکن فنا ہوتے ہوتے بہار آتے ہی شگفتہ ہوتا ہوں

میرے سر سے سیلاب بہہ چلا ہے، اور میں خواب (غفلت) میں مخمور رہوں

(میری حالت ایک) چھال کے ڈھیر کی سی ہے۔ جس کے نیچے نیچے تالاب جمع ہوا ہو۔
{لیکن سطح پر تیرتے رہنے کی سبب چھال کے ڈھیر کو محسوس نہ ہو کر میں اپنی جگہ سے اکھاڑ پھینکا گیا ہوں}
میں نے کہا "یہ ایک گلدستہ ہے" اور میں پھولوں پہ بلبل کی طرح جان چھڑکنے لگا۔

خیال آیا شاید یہ سنبل ہے لیکن دیکھا تو وہ پیچ در پیچ سانپ تھے۔

ان ناگوں کے خوف سے اور تیر مژگان کے ڈر سے

عاشق تیزی کیساتھ بھاگ تو جاتے ہیں۔ لیکن بھاگتے بھاگتے (تیری کشش کی سبب) پھر واپس

غریبوں کا خون بہا کر اور ہزاروں (عاشقوں کو) موت کے گھاٹ اُتار کر

(اور پھر) خرقۂ تقویٰ زیب تن کئے اپنی پاکبازی پر نہ اترائیے۔
{ [اپنی پاک طینت کی شہرت طلبی میں] جلانے کی لکڑی کو ڈھو نہ ڈالئے }
اے وہاب یہ دورِ ظالم کسی کو سلامت نہیں رکھتا

اس نے تو میری شاخوں کو کلہاڑی سے توڑ پھوڑ دیا، اور کاٹ پھینکا۔

در فراقِ شباب

بأزی کرُ بھٖم بأزی گارو، لوٚکہ چارو لولو

بے وسا بے اعتبارو، لوٚکہ چارو لولو

ہٕھو ونَم نہٕ اِختیارو، ہأونَم سو نہٕ کوہ

وُچھ میہٕ ہتم آسی سنگ حارو، لوٚکہ چارو لولو

یوٚہ وُچھہ تک نو بہارو، ہیٚوت میہٕ پوٚشن بو

گُل چھ وُنکیٚن کنڈٕ تہٕ خارو لوٚکہ چارو لولو

کنٕجہ ہندے دِزٕہ دارو، آرہ کوٚرنے توہ

وارہ کوٚرنے پارہ پارو، لوٚکہ چارو لولو

اَدٕہ اوسک ژٕنبہٕ آرو ہیٚرہ والن کوہ

چھوٚی دہقان وُنی کیٚن غُبارو لوٚکہ چارو لولو

رُود ہمے موختہٕ ہارو، کتہٕ ژھانڈت بو

موختہٕ راوِت روزہٕ تارو لوٚکہ چارو لولو

پیوم وَنی سنگین حصارو، گوم ہارس پوہ

کہٕ کیا وَنی چھُمنہٕ چارو، لوٚکہ چارو لولو

درفراقِ شباب (گیت)

اے شعبدہ باز شباب تو نے تو میرے ساتھ دھوکہ کھیلا۔ ہائے میرے شباب ہائے

اے ناقابلِ اعتماد اور ناقابلِ اعتبار شباب۔ ہائے میرے شباب ہائے

تو نے میرے اختیار کو ہی چھین لیا۔ تو نے مجھے سونے کے پہاڑ وہ دکھائے

جو میرے پرکھنے پر مٹی اور کانٹوں کے ڈھیر نکلے۔ ہائے میرے شباب ہائے

کل ہی میں نے تجھے نوبہار ایسا دیکھا تھا اور میں پھولوں کو سونگھنے لگا تھا

آج یہ پھول محض کانٹے ہی کانٹے ہیں۔ ہائے میرے شباب ہائے

اے کنڈی علاقہ کے دیودار آرہ نے تجھے بُرادہ میں بدل دیا۔

(آرہ نے) تیرے جسم کو کلی طور چور چور کر ڈالا۔ ہائے میرے شباب ہائے

تھوڑی دیر پہلے تم رنب آرہ[1] ایسے تھے، اور پہاڑوں کو بہالے جا رہے تھے

اور اِس وقت (خشک ہو جانے سے) تیرے اُوپر گرد اُڑ رہا ہے۔ ہائے میرے شباب ہائے

اے میرے شباب تو میرے لئے موتی کا ہار تھے۔ جس کو کہ میں کہیں کھو چکا

موتی گُم ہو جانیکے بعد اب میرے ہاتھ صرف لڑی ہی رہی۔ ہائے میرے شباب ہائے

تو کیا گئے؛ میری زندگی کا سنگین حصار ہی دھڑام سے گر پڑا۔ اور میرا ماہ ہارہ (موسم شگفتگی)

ماہِ پوہ (موسم افسردگی) میں بدل گیا۔ اب میں کیا کروں۔ اب میرا کوئی چارہ کار رہا ہی نہیں۔

ہائے میرے شباب ہائے

[1] رنب آرہ:۔ کشمیر کے ایک پہاڑی نالے کا نام جو بہت زور و شور سے بہتا ہے

آدِ نکے بالہٕ یارو، وعدہ چھُم اکھ دوہ
وعدٕ سی چھُم انتظارو لوکہٕ چارو لولو

اے وہاؔب بے اعتبارو چھک ژہ مارن ژھوہ
خرچ راہ کر کینہہ تیارو، لوکہٕ چارو لولو

شہر آشوب

وٗنی چھُ درکشمیر پتلونن بییہ کوٹن رواج
کوٕرہ ٹوپین لوٕرہ ریٖنن بادمی بوٹن رواج

خنجر و شمشیر تیر و تیغ نیزہ رد سپنی
آہنی گرزن بدل وٗنی کاٹرین ژھوٹن رواج

ژاکہ وارے رنگہٕ بنگلہ لرٕ ناوہ ناپسند
زورقن ٹپہ لدشکارین تہٕ ہوس بوٹن رواج

مہر و دستخط اوس برقبض و برات و ہم نکاح
وٗنی بکاغذ انگجہ جہرن عکس انگوٹن رواج

عاقل و دانا معزز اسی آسان اہلِ کار
طفل ابجد خوان جاہل تہٕ جوان بوٹن رواج

اے چھٹپن کے دوست! میرے لئے کوچ کرنے کیلئے ایک معیّن دن کا وعدہ ہے
اب میں اسی وعدہ کے انتظار میں زندگی کے دِن کاٹ رہا ہوں۔ ہائے میرے شباب ہائے
اے ناقابلِ اعتبار وہاب۔ تو خواہ مخواہ ٹھاٹھ یا مصنوعی جاہ طلبی میں مگن ہو
ذرا کچھ زادِ راہ بھی تو تیار کر۔ ہائے میرے شباب ہائے

شہر آشوب

اب تو کشمیر میں پتلون اور کوٹ کا رواج ہے۔ زنانہ ٹوپیوں، چوبی زینوں اور بادامی بوٹوں کا رواج ہے
زنانہ ٹوپیوں، چوبی زینوں اور بادامی بوٹوں کا رواج۔
خنجر۔ تلوار۔ تیر اور نیزے سب ترک ہوئے
اب لوہے کے گرزوں کے بدل کابل کے ڈنڈے (بندوق) کا رواج ہے
چھوٹی کشتیاں، آرائشی بنگلے۔ بلند مکان سب ناپسند قرار دئے گئے ہیں۔
اب زورق چھت والی چھوٹی کشتیوں اور ہوس بوٹوں کا رواج ہے
عام دستاویزات مثلاً قبضۂ جائداد۔ برات اور نکاح کی توثیق کے لئے
مہر و دستخط ثبت کئے جاتے تھے۔ اب انگلیوں کی مہر یعنی عکس انگوٹھہ کا رواج ہے
عاقل اور زیرک پہلے زمانہ میں اہلکار ہوا کرتے تھے، اور اب طفلِ ابجد خوان،
جاہل اور لونڈوں کا رواج ہے۔

اوس دستارو ہندیہ پھٹلہ اسرافن بسر

ونی گلوبندن شریفن رنگہ لنگوٹن رواج

اوس کیا زیبا گُرِس زیرِ سواری بال وُدم

از چھُہ بے دُم گرُ چوشنہ لوگ شمع ٹوٹن رواج

قتلم وشرمال قندی قلچہ بُسرق در گذر

چھے ڈبل تزوٹ فخر ونی کبن بے نمک روٹن رواج

ناشپاتی بے مزہ امرود وانگور و انار

چھا چھہ فل اشٹابری بے مزہ بسکوٹن رواج

میوہ شیرین در کشمیر یم مشہور اسی

تِمہ اندرہ از چھُو ورِ تین بیہ اخروٹن رواج

سیم وزر لعل وجواہر بستہ در گنجینہ گو گردشِ بازار ہر جا کاغذی نوٹن رواج

راتہ دانین رنگہ مندورین چھُنہ کینہہ اعتبار مزہ دوسہِ چونہ سفیدی یک طبق ہوٹن رواج

راست یازن تہ سدین خلقن دیان نادان چھی

جعلسازن کاذبن تہ اپزین سوٹن رواج

چھُوی زینکار ابن زمانہ حیرتس اندر وھاب

چھُوی نہ فریہ مجہ وونٹن خاندانی موٹن رواج

پگڑی "مندیلہ" یا طرّہ اشراف کا زیب سر لباس تھا

اب شریفوں میں بھی گلو بند اور کٹ کا رواج ہے

پرانے وقتوں میں گھوڑے کی دُم یا بال سواری کے وقت کتنی ہی زیبایش

کا باعث ہوتی تھی۔ آج مُشت نما "شمع ٹوٹہ" قد کے دم کٹے گھوڑوں کا رواج ہے

قتلم، شرمال، قندی قلیچہ اور لبرق سب زائد المیعاد ٹھہرے۔ اب ڈبل روٹی پر

فخر کیا جاتا ہے، اور بے نمک "روٹھ" کا رواج ہے

ناشپاتی، امرود، انگور اور انار سب بے مزہ میوے شُمار کئے جاتے ہیں۔ ہاں "چھاپچہ

"سٹابری اور بے مزہ بسکوٹوں کا رواج ہے

کشمیر میں جو میوے پرانے عہد سے مشہور تھے۔ ان میں سے "وِرنی" اور اخروٹ کا رواج ہے

سونا چاندی اور جواہرات تو خزانے میں بند ہیں، اور اب بازار میں کاغذی نوٹوں کا رواج ہے

بلند عمارتوں اور رنگدار تعمیرات پر آج کسی کو بھروسہ نہیں۔ ہاں مٹی کی دیوار پر چونہ سفیدی ہو تو اس

راست باز اور سادہ لوح لوگوں کو بیوقوف خیال کیا جاتا ہے۔ اور اب جعلساز، کذّاب

اور کارِواج ہے۔

زمانۂ حال کی اس کارکردگی پر **وھاب** حیران ہے۔ ہاں یہ تو اب

مانی ہوئی بات ہے کہ "فربہ مقدم دہ" ٹاپ کے خاندانی "مجہ اونٹوں"

(ناقابل، کُند ذہن) انسانوں کا رواج نہیں رہا۔

رُباعی

خیر کم ذاتس کرُن چھُے خرخرہ بازرِ خرس
پرورش بد خصلتس نتہ گوڈ بُرن چھُے ازخورس
یُمی رُو چھُے بدذات ہمی گھٹی پانئی پانس کٔڈ سو چاہ
تتہ ینہٕ نوی پان لوٗدنے دردہان ہمی اژدہس

ترجمہ

کمینے کے ساتھ بھلائی کا سلوک ایسا ہے جیسا کہ بازاری گدھے کو خرخرہ کرنا۔

بد خصلت کی پرورش ایسی ہی ہے جیسا کہ ازخور ایسے زہریلے پودے کی گڈائی۔

جس کسی نے بدذات انسان کو پالا اُس نے گویا اپنے آپ کیلئے چاہ کھود دیا۔

یا اپنے آپ کو اژدھے کے منہ میں ڈالا۔

(راقم غلام نبی مہاجن)